میرا پیغمبر عظیم تر ہے
(سیرت سیریز)
2

عظیم اخلاق

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عظیم اخلاق

نگہت ہاشمی

عظیم اخلاق

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : عظیم اَخلاق

مُصنّفہ : نگہت ہاشمی

طبع اوّل : مئی 2007ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 98/CII گلبرگ III فون: 042-7060578-706057

فیصل آباد : 103 سعید کالونی نمبر 1 ' کینال روڈ' فون: 1851 872 - 041

بہاولپور : 7A ' عزیز بھٹی روڈ' ماڈل ٹاؤن اے' فون: 2875199 - 062
2885199 ' فیکس : 2888245 - 062

ملتان : 888/G/1 ' بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی' بوسن روڈ' گلگشت
فون: 8449 600 - 061

ای میل : alnoorint@hotmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

مومن کمیونیکیشنز B-48 کرین مارکیٹ بہاولپور

قیمت : روپے

ابتدائیہ

اَخلاق دشمن کو دوست بنانے والی قوت ہے۔حسنِ خلق حبّ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

اَحَبَّ عِبَادَ اللهِ اِلَی اللهِ اَحْسَنھُمْ اَخْلاقًا (کنز:3/3)

''اللہ کے بندوں میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اَخلاق سب سے اچھے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے حسنِ اَخلاق کو فضیلت کے معیار کے طور پر پیش کیا مثلاً

اِنَّ مِنْ اَخیَرِ کُمْ اَحْسَنَکُمْ خُلُقًا (مسند احمد:4/385)

''یقیناً تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اَخلاق سب سے اچھے ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (صحیح بخاری:7/81)

''میں تو اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اَخلاق کی تکمیل کروں۔''

محمد رسول اللہ ﷺ نے مکارمِ اَخلاق کی تکمیل کی کہ ربّ العزت نے فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:4)

''اور یقیناً آپ ﷺ اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔''

آپ ﷺ کا اَخلاق ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے وہی دُعا ہے جو عظیم اَخلاق والے نے اپنے لیے مانگی:

''میرے رب! اچھے اَخلاق کی طرف میری رہنمائی فرمایئے۔ تیرے سوا اچھے اَخلاق کی راہ کوئی نہیں دکھا سکتا اور برے اَخلاق کو مجھ سے دور کر دیجیے اور تیرے سوا برے اَخلاق کو کوئی مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔'' (آمین)(صحیح مسلم:185/2)

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کے سب سے عظیم انسان کا اَخلاق بھی سب سے عظیم تھا۔ آپ ﷺ کے اَخلاق کی گواہی آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات رضی اللہ عنہا نے اس وقت دی جب آپ ﷺ پر نبوت کی ذمہ داریاں ڈالی گئیں۔ یہ الفاظ کیا ہیں؟ آپ ﷺ کے اَخلاق کی جامع تصویر ہے۔

كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِئُ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ (صحیح بخاری:3)

''ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ ﷺ بے مثال ہیں، مشکل وقت میں آپ ﷺ حق کی حمایت کرتے ہیں۔''

محسنِ انسانیت ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (مؤطا: 904)

''میں حسنِ اَخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں''۔

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین میں سے ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں اُس

کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''وہ کہتے ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے ہیں اُسے چھوڑ دو۔ وہ نماز، صداقت، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔'' (صحیح بخاری:7)

اس سے آپ ﷺ کے حسنِ اَخلاق کے معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ اَخلاق کا کامل نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات میں تمام فضائلِ اَخلاق جمع ہوگئے ہیں۔ حضرت ابوداؤد کے بھائی انیس نے نبی ﷺ کے بارے میں معلومات جمع کیں اور مشاہدے کے بعد اُنہوں نے کہا تھا: ''میں نے انہیں لوگوں کو اَخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ (صحیح مسلم 156/7)

آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کا عمل انسانیت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں گواہی دی:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:4)

''اور آپ ﷺ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔''

ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا اور سوال کیوں نہ کرتے، رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ سمجھتے تھے۔ سوال یہ تھا کہ آپ ﷺ کے اَخلاق کیسے تھے؟ اس پر حیرت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ پھر خود ہی جواب دیا:

اِنَّ خُلُقَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ الۡقُرۡاٰنَ (ابوداؤد:87/2)

''رسول اللہ ﷺ کا خُلق قرآن تھا۔''

ذکر اَخلاق کے حوالے سے ہو تو ذہن میں کئی باتیں آتی ہیں کہ

کیا اَخلاق کا اچھا ہونا ہر ایک کے لئے ضروری ہے؟

کیا اَخلاق کے اچھا ہونے کی وجہ سے دنیا میں ہمیں کوئی فائدہ ہو سکتا ہے؟

یا اَخلاق کے برا ہونے کی وجہ سے کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟

اور آخر حسنِ خلق ہی کیوں؟

آپ ﷺ نے ان سوالوں کا بہت ہی خوبصورت جواب دیا ہے۔ النواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے 'البر' اور 'الاثم' کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ (مسلم: 314)

''نیکی تو حسنِ اَخلاق کا نام ہے''۔

یعنی جو نیکی کرنا چاہتا ہے، اس کو جان لینا چاہیے کہ حسنِ اَخلاق ہی دراصل نیکی ہے۔ اَخلاق بنیادی طور پر خُلق سے ہے۔ خُلق عادت کو کہتے ہیں۔ ایک تو ہماری تخلیق ہے یعنی خَلق جسے اللہ تعالیٰ نے بنایا اور نِک سُک سے درست کر کے پیدا کیا، کوئی کمی نہیں رکھی اور دوسرا معاملہ ہے خُلق کا ہے۔ خُلق کا تعلق ہماری efforts سے ہے اور کوشش پر اللہ تعالیٰ نے اجر رکھا ہے۔ اچھی عادات اور اچھے اَخلاق اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو سب سے زیادہ اچھے اَخلاق والے ہیں''۔ (کنز، کتاب اخلاق: 3/3)

جو اللہ کے رسول ﷺ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے، جو اُن کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہے، اُس کا فرض ہے کہ وہ اچھے اَخلاق اپنائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (ترمذی: 9/5)

''ایمان لانے والوں میں سے کامل ایمان والے اچھے اَخلاق والے ہیں''۔

ایمان بھی ان کامکمل ہے جن کاخُلق اچھا ہے، جن کی عادات اچھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طویل دُعاؤں میں سے ایک دُعا کا یہ چھوٹا سا حصہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے رب سب سے اچھے اَخلاق کی طرف میری رہنمائی فرمائیے''۔

(مسلم:185/2)

اے اللہ! مجھے ایسا اَخلاق سکھادے جو سب سے اچھا ہو۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ رہنمائی چاہتے تھے تو ہمیں بھی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ Normally ہمارے ہاں اَخلاق کا جو معیار مقرر ہے وہ ذاتی ہے یا جسے معاشرہ پسند کرتا ہو۔ مثلاً ہمارے ہاں دوغلا پن یعنی diplomacy بڑی اچھی پالیسی سمجھی جاتی ہے حالانکہ بات یہ نہیں ہے کہ ہمیں کیا اچھا لگتا ہے یا معاشرے کے افراد کو کیا اچھا لگتا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ جہانوں کے بادشاہ کو کیا اچھا لگتا ہے۔ اسی لئے تو رسول ﷺ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اچھے اَخلاق کی طرف میری رہنمائی فرمائیے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''(اللہ تعالیٰ کے سوا) اچھے اَخلاق کی راہ کوئی نہیں دکھا سکتا''۔ (مسلم:185/2)

اور آپ ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ

''مجھ سے برے اخلاق کو دور کر دیجیے کہ انہیں تیرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔''

(مسلم:185/2)

اس اعتبار سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ اچھا اَخلاق ہم سب کی ضرورت ہے۔ اچھے اَخلاق کی وجہ سے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ خُلق کی وجہ سے انسان کا تعلق بھی اچھا رہتا ہے اور بدخلقی کی وجہ سے لوگ ملنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے، آپ میری رہنمائی فرمائیے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اپنے اَخلاق بلند کرلو، تمہارا ایمان تکمیل کو پہنچ جائے گا''۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ ایمان اَخلاق کے بغیر کچھ نہیں ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''ایمان خلق کا بیج ہے۔'' (احیاء العلوم)

بیج کے بغیر کوئی پودا پیدا نہیں ہوسکتا۔ہمارے ہاں ایک فقرہ بولا جاتا ہے کہ عیسائیوں کے اَخلاق بہت اچھے ہیں اور یہ کہ فلاں مسلمان تو نہیں ہے لیکن اُس کے اَخلاق بہت اچھے ہیں،اُس کی عادات بہت اچھی ہیں۔اچھے کا معیار جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے وہ کیا ہے؟ کون سا کام اچھا ہے؟ وہ جو ربّ کے لیے کیا جائے۔مثلاً کسی کو مسکرا کر دیکھنا ایک چھوٹا سا عمل ہے لیکن smile کیوں pass کی؟ بعض اوقات انسان چاہتا ہے کہ میں لوگوں کی نظروں میں اچھا ہو جاؤں تو کیا وہ عادت جس کا مقصد اچھا نہ ہو اچھی کہلائے گی؟ یعنی اگر مسکرا کر بھی ملے تو آخرت میں اس کا اجر تو نہیں ملے گا،اس لیے کہ یہ اچھی عادت نہیں ہے،اس کی بنیاد اچھی نہیں ہے۔ہوسکتا ہے ایک وقت میں آپ کا مسکرا کر دیکھنے کو دل چاہے اور دوسری مرتبہ نہ چاہے تو آپ تو دل کے غلام بن گئے اور اَخلاق ایسا رویہ ہے کہ چاہے اچھی حالت میں ہوں یا بری حالت میں،چھوٹتا نہیں ہے۔

اچھا خُلق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا،اُس کی خوشنودی کے لیے ہو۔ہم جو بھی عادت اپنائیں یا جو خُلق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں،اس کا اصل مقصد یہ ہو کہ اللہ مجھ سے خوش ہو جائے۔اللہ مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میرے اندر یہ خُلق پیدا ہو جائے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے ایک انسان کا خَلق ہے،اس کا چہرہ،اس کے باقی اعضاء،اسی طرح اس کا خُلق ہے،اس کی بھی شکلیں ہیں۔ایک انسان اچھے خُلق والا ہے تو اس کا مطلب ہے اس نے اپنا روحانی ڈھانچہ اچھا بنالیا ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی سے اچھے کاموں کا

صدور ہو ہی نہیں سکتا، دل میں اللہ تعالیٰ کا نور اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم آ ہی نہیں سکتا جب تک کہ دل پاک نہ ہو۔

یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں کہ دل اس وقت تک پاک نہیں ہوتا، اس وقت تک اس میں اللہ تعالیٰ کا نور نہیں آ سکتا جب تک دل سے بھونکنے والے کتوں کو نکال نہیں دیا جاتا۔ اب میں تھوڑی سی وضاحت کرنا چاہوں گی کہ انہوں نے بھونکنے والے کتے کس کو کہا۔ جس گھر میں کتا ہو، اس گھر میں داخلہ آسان نہیں ہوتا کیونکہ کتا بھونکتا ہے اور آنے والے کو پتہ چلتا ہے کہ جب تک مالک کی اجازت نہیں ہوگی، میں اندر نہیں جا سکتا۔ دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کے اندر فرشتوں کا آنا جانا ہو سکتا ہے جو نورانی مخلوق ہیں، جیسے علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ اگر دل کے اندر negative عادات، احساسات اور جذبات موجود ہیں تو اس کی وجہ سے دل کے اندر تک نیکی کی بات، نیکی کے جذبات کو پہنچنے کا موقع نہیں ملتا۔ دل کے اندر بھونکنے والے کتے برے اَخلاق ہیں، انسان جب برے اَخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے، مثلاً دل کے اندر اگر جھوٹ ہوگا تو زبان جھوٹی ہوگی۔ دل کے اندر بے ایمانی ہوگی تو اس طرح انسان کے عمل میں بھی یہ dishonesty آئے گی۔ اگر اس کے اندر غصہ ہے، غضب ہے اور وہ برے طریقے سے غضب کا اظہار کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ غصہ کہیں نہ کہیں ظاہر ہوگا۔ مثلاً انسان کے دل کے اندر جس کے بارے میں غصہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس کے بارے میں برا سوچتا ہے، بدگمانی میں بھی مبتلا ہے اور ایسے انسان ایک چکر میں پھنس جاتا ہے، تجسس میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، حالات کی ٹوہ لگاتا ہے اور پھر جب غصہ اور بڑھتا ہے تو انسان طعنے دیتا ہے، پھر بھی دل ٹھنڈا نہیں ہوتا تو انسان پیٹھ پیچھے برائیاں کرتا ہے، غیبتیں کرتا ہے۔ یعنی اگر دیکھا جائے تو ایک برائی کے ساتھ کئی برائیاں انسان کے اندر اتر آتی ہیں۔ جب دل کے اندر اتنی برائیاں جمع ہو جاتی ہیں تو

پھر کیسے ممکن ہے کہ دل کے اندر روشنی آجائے؟ پھر تو دل کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ ایمان تو اس دل کے اندر ہی ٹھہرے گا جس کے اندر اچھی باتیں موجود ہوں گی، جو دل حسین ہوگا۔

دل کا حسن بھی تو وہی ہے جو ربّ بتاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کیونکہ اس یقین کی وجہ سے ہی وہ دل جو اعمال کا مرکز دل ہے، اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ احساسات و جذبات اچھے ہوں تو عمل بھی اچھا ہوتا ہے اور اچھے اَخلاق کے لیے بھی دل کے اندر اچھا احساس اور اچھا جذبہ ہونا ضروری ہے کیونکہ جس کی زبان میٹھا بول بولنے والی ہے، جس نے غیبت نہیں کرنی، جس نے طعنہ نہیں دینا، جس نے مسکرا کر ملنا ہے، جس نے sincerity کے ساتھ ملنا ہے، جو لوگوں کے ساتھ جھک کر ملے گا، جو تواضع سے ملے گا، جو لوگوں کے ساتھ حسنِ معاملہ کرنے والا ہوگا، اس کے تعلقات اچھے ہو جائیں گے۔ رشتے کے تعلقات اس کے اچھے ہوتے ہیں جس کا اَخلاق اچھا ہوتا ہے اور جو بداَخلاق ہوتا ہے اس کے رشتے کے تعلقات بھی کٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے دنیاوی تعلقات ہیں۔ اگر انسان ان کے ساتھ حسنِ خُلق کا معاملہ رکھے تو وہ تعلقات اچھے ہوتے ہیں۔ قرآن یہ کہتا ہے:

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرہ:27)

”وہ کاٹ ڈالتے ہیں رشتے کے اُن تعلقات کو جن کو جوڑنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے“۔

رشتوں کو جوڑنے میں زبان کا استعمال اور دل کا خلوص بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تعلقات کا یہ حسن انسان کے ایمان کو مکمل کرتا ہے۔ ایک بدو آیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ بتایئے کہ دین کیا ہے“؟ مجھے بدو اچھے لگتے ہیں کہ کم از کم پوچھ تو لیتے ہیں کہ دین کیا ہے؟ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو دیکھیں کہ ہم

میں سے کوئی یہ سوال نہیں کرتا حالانکہ ہمیں بھی پوری طرح پتہ نہیں ہے کہ دین کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی لوگ انتظار کرتے تھے کہ کاش کوئی بدو آجائے، وہی سوال کر لے کیونکہ زیادہ سوال کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس نے جب پوچھا کہ دین کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''حسنِ اَخلاق''۔ اس کے بعد وہ دائیں سائیڈ سے بائیں سائیڈ پر آ گیا اور پوچھا کہ یہ دین کیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے جواب دیا: ''حسنِ اَخلاق''۔ پھر اس نے دوبارہ ایک سائیڈ سے اُٹھ کر دوسری سائیڈ تبدیل کی اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اَمَّا الدِّیْن کہ دین کیا ہے؟ اس کو satisfaction نہیں ہو رہی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا اور کہا کہ بھائی آپ کو کب سمجھ آئے گی؟ یعنی احساس دلایا کہ میں نے آپ کو کتنی بار بتایا ہے اور کہا کہ غصہ نہ کیا کرو یعنی آپ ﷺ نے خود غصے پر کنٹرول کر کے کہا کہ دین تو یہ ہے کہ غصہ نہ کیا کرو۔

جس کے اَخلاق بلند ہوں گے اس کا بیٹھنا بھی دین بنے گا۔

جس کے اَخلاق بلند ہوں گے اس کا قدم اٹھانا بھی دین بنے گا۔

جس کے اَخلاق بلند ہوں گے اس کا گھر کے اندر رہنا بھی دین بنے گا۔

جس کے اَخلاق بلند ہوں گے اس کی جاب بھی دین بن جائے گی۔

جس کے اَخلاق بلند ہوں گے اس کی تجارت بھی دین بن جائے گی۔

اَخلاق بلند کرنے ضروری ہیں کیونکہ ہم جس نبی ﷺ کی اُمت ہیں ان کے اَخلاق بھی سب سے بلند تھے۔ عظیم اَخلاق کے موضوع کا بنیادی مقصد بھی یہ ہے کہ ہم نبی ﷺ کے اَخلاق کو زندہ کریں اور اپنے اَخلاق کو بلند کریں۔

ہم میں سے ہر فرد کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ صادق تھے، قول و فعل میں سچے تھے۔ آپ ﷺ سچی بات کرتے تھے، آپ ﷺ کا کام بھی سچائی پر مبنی تھا، آپ ﷺ حلیم

تھے، بردباد اور نرم خو تھے۔آپ ﷺ کے اندر کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا تھی۔ آپ ﷺ سادہ انسان تھے، گفتگو بھی سادہ کرتے تھے، منہ بنا کر گفتگو کرنے کو پسندیدہ نہیں سمجھتے تھے۔آپ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت کی ہے جو منہ بگاڑ کر بات کریں۔آپ ﷺ کا کھانا پینا سادہ تھا، آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا اور لباس سادہ تھا۔آپ ﷺ سب سے بڑھ کر مہمان نواز تھے، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔آپ ﷺ ہر حال میں عہد کو پورا کرنے والے تھے، صابر تھے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جمے ہوئے تھے، اللہ کی نافرمانی سے بچتے تھے اور مصائب پر صبر کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی زندگی سے اگر دیکھنا چاہیں کہ آپ ﷺ کس طرح ان اَخلاق کو اپنے اندر پروان چڑھائے ہوئے تھے؟ اور ان کی وجہ سے آپ ﷺ کس طرح حسنِ معاملہ کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ربّ نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے جس میں سے ایک بات یہ ہے کہ ''جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔'' کتنی مشکل بات ہے! اگر ہم سے کوئی سلام نہ لے تو ہم تو کہتے ہیں کہ جب اس نے مجھے سلام نہیں کیا تو میں کیوں کروں؟ اس نے تو پلٹ کر دیکھا تک نہیں تو مجھے پلٹ کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے اور دنیا میں سب سے بلند مرتبے والا انسان کہتا ہے: ''جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے محروم کرے، میں اس کو عطا کروں''۔اس کا مطالبہ کیا ہے کہ جو رشتے کو کاٹتا ہے، اس سے تعلق جوڑنا ہے۔ جو ہمارے حقوق سے ہمیں محروم کرتا ہے، اس کے حقوق کا ہمیں اتنا ہی خیال رکھنا ہے۔

سیرت رسول ﷺ پڑھتے ہوئے، آپ ﷺ کے اَخلاق کی روشنی میں ساتھ ساتھ ہم اپنے اَخلاق کا موازنہ کریں گے کہ ہم کہاں ہیں؟ سب سے پہلے صدق کے حوالے سے دیکھیں گے۔آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو صادق کہا جاتا تھا۔سچ کے بارے

میں قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (النساء:87)

''اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں سچا کون ہے''؟

اللہ کے سارے نبیوں کی خصوصیت تھی کہ سب کے سب سچے تھے۔قرآنِ حکیم میں آتا ہے کہ سب کے سب سچے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ (مریم:41)

''اس کتاب میں ابرہیم علیہ السلام کا ذکر کرو''۔

كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (مریم:41)

''یقیناً وہ سچے نبی تھے''۔

اور یہی بات حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی کہی گئی ہے۔اسی طرح یوسف علیہ السلام کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ جب اُن کے پاس دو قیدی آ کر کہتے ہیں:

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ(یوسف:46)

''یوسف علیہ السلام! اے سراپا سچائی''!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب ہرقل کے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا گیا تو اس نے بھی یہی کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچائی کے علمبردار ہیں، سچائی کی تعلیم دیتے ہیں۔ہرقل نے بھی بڑا intelligent question کیا تھا.اس نے شاہِ روم سے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ نبوت سے پہلے کے معاشرے میں اس کی شہرت کیسی تھی؟لوگ اس کے بارے میں کیسا تاثر لیتے تھے؟ابوسفیان نے کہا کہ اس کے ذمے کوئی جھوٹ نہیں لگایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی سچائی پر قائم رہے اور اگر ہم اپنا رویہ دیکھیں کہ ہم اپنی

انفرادی اور اجتمائی زندگی میں کہاں کہاں سچائی سے کام لیتے ہیں اور کہاں پہ سچائی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں؟ مثال کے طور پر joint family میں جھوٹ کافی پروان چڑھتا ہے۔ چونکہ سب نے مل کر رہنا ہوتا ہے تو ایک کو دوسرے کے حالات کی ٹوہ ہوتی ہے۔ خصوصاً نیا شادی شدہ جوڑا گھر سے باہر جاتا ہے تو ساس یہ چاہتی ہے کہ اس وقت باہر نہ جائیں تو اس situation کو face کرنے کے لئے ایک ہی طریقہ نظر آتا ہے کہ جھوٹ بول دیا جائے اور اس کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تراش لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ساس کے خلاف دیورانیوں جٹھانیوں کا اتحاد ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف سچی جھوٹی باتیں بھی لگاتی ہیں کہ اس نے مجھے آپ کے بارے میں یہ کہا تھا اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ ساس غریب نے تو کچھ نہیں کہا۔ اس بارے میں بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ خود اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں یہ سارے معاملات کس طرح سے ہوتے ہیں؟ اسی طرح نند اور بھابھی کے رشتہ کے درمیان بھی ایسے معاملات ہوتے ہیں۔ وہ جو بے چارہ نند کا بھائی ہے اور بیوی کا شوہر ہے اس کی تو شامت ہی آتی رہتی ہے۔ کبھی اس کو اس کی بہن کے بارے میں اچھی خبر نہیں دی جاتی اور کبھی بیوی کے بارے میں۔ یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ جب بھی موقع ملے تو بری بات ہی بتانا ہے خواہ سچی ہو یا جھوٹی اور ایسی خبریں اکثر جھوٹی ہی ہوتی ہیں، لہٰذا رشتے کے تعلقات کٹ جاتے ہیں۔ جھوٹ اتنی بری چیز ہے کہ اُمّ الخبائث کہلاتی ہے، ساری بیماریوں کی جڑ ہے۔ اس کی وجہ سے رشتے کے تعلقات کٹ جاتے ہیں۔

اسی طرح گھریلو زندگی میں دیکھئے، جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک معاملے کے حوالے سے مختلف افراد کی رائے ایک فرد کے مقابلے میں ایک جیسی ہو جاتی ہے مثلاً دیورانی جٹھانی کی آپس میں بنی ہوئی ہے اور ساس کسی معاملے کی تحقیق کرنا چاہتی ہے تو گواہی چھپا

جائیں گی، یعنی پتہ ہوگا کہ کیا معاملہ ہوا ہے لیکن کہیں گی کہ ہمیں تو نہیں معلوم۔ اس ذہنیت "نہیں معلوم" میں کیا ہے؟ جھوٹ کہ پتہ ہے لیکن پھر بھی کہا کہ پتہ نہیں اور اسی طرح شوہر کے ساتھ کچھ لوگوں کے معاملات ایسے ہیں کہ اُس سے سب کچھ چھپا کر رکھنا چاہتی ہیں کہ اسے یہ نہ پتہ چلے کہ میں کیا خرچ کرتی ہوں؟ کسے دیتی ہوں؟ کس سے لیتی ہوں؟ اور یہ کہ میں کس وقت پہ کہاں گئی؟ کس سے ملی؟ اور کیا معاملات ہوئے؟ لہٰذا شوہر جب کبھی پوچھے کہ کہاں گئی تھیں؟ یا کیا معاملہ ہوا؟ یا فلاں پیسے کہاں ہیں؟ تو کسی بھی موڑ پر سچائی کا سہارا نہیں لیا جاتا بلکہ جھوٹ کو سہارا بنایا جاتا ہے۔ رشتے کی بنیاد اگر جھوٹ پہ ہو تو محبت کہاں سے آئے؟ اِخلاص کہاں سے آئے؟ دل تو کالا ہو گیا ناں! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> "بندۂ مومن جب گناہ کرتا ہے، غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ دھبہ یا سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر وہ فوراً توبہ واستغفار کر لے تو وہ دھل جاتا ہے، اگر نہ کرے تو پھر وہ مستقل لگ جاتا ہے اور اسی طرح پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔"

(ترمذی:5/434)

ایک جھوٹ کے اوپر سو جھوٹ اور پھر یوں یہ بات آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی سے ملنے کو، بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا ہوتا لیکن ملتے ہوئے تعلق اچھا ہی بنانا چاہتے ہیں، لہٰذا مجبوراً سب کچھ ہو رہا ہے۔ اب ہونا تو یہ چاہیے کہ جب ملاقات ہو تو سیدھے سادے طریقے سے بات چیت کر لیں لیکن ہوتا کیا ہے کہ جب ملے ہیں تو بیٹھتے ہی جھوٹی تعریفیں شروع کر دیں، کپڑوں کی تعریف کہ کپڑے لگ تو بہت ہی برے رہے ہیں لیکن کہیں گے کہ یہ آپ کو کتنے اچھے لگ رہے ہیں! وہ اٹھ کر جائیں تو کہیں گے کہ دیکھا! اس کو پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔ یہ ہمارے دوغلے رویے ہیں، سامنے کچھ پیچھے کچھ اور۔ کس وجہ سے؟ جھوٹ کی وجہ سے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (صحیح بخاری: 6095)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب امانت دی جائے تو خیانت کرے''۔

جھوٹ منافق کی پہلی نشانی ہے۔ یہ کس طرح ہماری زندگی کے اندر برائیوں کی جڑ بن جاتا ہے اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟ جھوٹی قسمیں کھانا، جھوٹی گواہی دینا، پھر زبان سے بھی انسان جھوٹ بولتا ہے۔ بعض اوقات ہوتا یہ ہے کہ زبان تو خاموش ہے لیکن اپنے رویے اور طرزِ عمل کے ذریعے جھوٹ کا اظہار کر دیا۔ یہ بھی تو جھوٹ ہے مثلاً آپ نے احمد ندیم قاسمی کا افسانہ 'گھر سے گھر تک' پڑھا ہوگا کہ جو نہیں ہے وہ دکھانے کی کوشش ہوتی ہے حالانکہ آسانی تو اسی میں ہے کہ آپ سیدھے سادھے رہیں۔ جو ہے جیسے ہے، سب کے سامنے ہونا چاہیے۔ بندۂ مومن کے دل کے اندر اور باہر اور گھر کے اندر اور باہر کے رویے میں فرق نہیں ہوتا۔ وہ ہر جگہ پہ ایک ہوتا ہے۔ اندر اور باہر سے ایک ہونا، سب کے سامنے ایک جیسا ہونا، یہ ایمان ہے اور ایک نہ ہونا کیا ہے؟ نفاق۔ یہ اِخلاص نہیں ہے بلکہ نفاق کی علامت ہے۔

اسی طرح بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کا علم نہیں ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس بڑا علم ہے، یہ علماء کا جھوٹ ہے۔ جو لوگ تھوڑا علم رکھتے ہیں اس کو ظاہر زیادہ کرتے ہیں یہ بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے اور اکثر لاپرواہی میں یہ جھوٹ بول دیا جاتا ہے، کب؟ جب انہیں دین کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں سب پتہ ہے۔ کیسے سب پتہ ہو سکتا ہے؟ واللہ! اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جسے سب پتہ ہو۔

اسی طرح بعض اوقات انسان اس تعریف کے لائق نہیں ہوتا جو تعریف وہ دوسروں

سے چاہتا ہے، اپنی ذات کو وہ بنا کے پیش کرتا ہے اور دوسروں سے توقع رکھتا ہے کہ میری تعریف کریں۔ مثلاً ایک شخص نے نیکی کا کوئی کام نہیں کیا لیکن جن لوگوں نے نیکی کا کام کیا ان کے ساتھ شامل ہو کے پھر دوسروں سے یہ توقع رکھے کہ وہ اس کو Appriciate کریں۔ عملی طور پر یہ جھوٹ ہی کا ایک طریقہ کار ہے۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے گھر مہمان گئے، پیاس لگی ہے، بھوک لگی ہے اور صاحب خانہ پوچھتے ہیں کہ آپ ٹھنڈا لینا چاہیں گے، چائے یا کھانا پیش کیا جائے؟ آپ کہتے ہیں ضرورت نہیں ہے تو یہ جھوٹ ہے۔ اگر بھوک ہے تو بتا دینا چاہیے۔ اگر بھوک نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح باہر سے ٹیلیفون کال آئی، آپ چاہتے ہیں کہ کال اٹینڈ نہ کریں، بچے کو کہتے ہیں کہ کہہ دو گھر پہ نہیں ہیں۔ یہ جھوٹ ہی تو ہے۔ Naturally اس کی وجہ سے بچہ کیا سیکھے گا؟ ماں سے اس نے کیا سیکھا؟ باپ سے اس نے کیا سیکھا؟ ایک جھوٹی فضاء پروان چڑھی ناں! اور اس طرح بچہ بچپن سے ہی سچ سیکھنے کی بجائے جھوٹ سیکھتا ہے۔ خود جھوٹ بولا اور پورا ماحول خراب کر دیا۔

ٹیکسٹائل سٹی کی مثال دیکھیں کہ سودے کس بنیاد پر ہوتے ہیں؟ اس میں جھوٹ کا کتنا حصہ شامل ہوتا ہے، مثلاً وعدہ کیا کہ فلاں تاریخ پہ آپ کو amount pay کر دیں گے اور پھر وعدہ پورا نہیں کیا۔ اسی طرح مال دکھاتے کچھ ہیں اور دیتے کچھ ہیں۔ دکاندار کے پاس چلے جائیں تو کپڑا دکھا کے کہیں گے کہ اس کے colour کے بارے میں بالکل اطمینان رکھیں، رنگ چھوٹے گا نہیں اور اسی طرح اس میں فلاں فلاں خوبیاں موجود ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ چونکہ کپڑا کاٹن کا ہے، اس کو shrink کر کے پھر درزی کو دیا جائے تو جیسے ہی آپ اس کپڑے کو پانی میں ڈالتے ہیں وہ کلر کپڑے تک نہیں رہتا بلکہ آپ کے ہاتھوں پہ چڑھ جاتا ہے حالانکہ بیچنے والے نے تو قسمیں کھائی تھیں کہ یہ رنگ بہت پکا ہے۔ یہ

قسمیں کیسی ہیں؟ سودا بیچنے کے لیے جھوٹی قسم کھالی۔ ٹیکسٹائل سٹی میں کتنا زیادہ ایسا ہوتا ہے کہ کپڑا بنایا اپنے شہر میں اور مہر لگائی کسی اور ملک کی، مثلاً Made in Japan، یہ جھوٹ ہی تو ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کپڑے کے تاجر تھے، ایک کپڑے میں کچھ نقص تھا۔ گاہک کو بتادیا کہ جو تم خریدنا چاہتے ہو اس میں نقص ہے۔ اگر اس نقص کو برداشت کر سکتے ہو تو دیکھ لو یہ آپ کی اپنی مرضی پہ ہے۔ نقص کو بتا دینے والا تو چھوٹ گیا اس لیے کہ اس نے تو آگاہ کردیا کہ اس میں خرابی ہے۔ جس نے چھپایا اس نے حقیقت کو چھپایا اور حقیقت کو چھپانے کا دوسرا نام جھوٹ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اپنا جائزہ لیتے ہوئے ہم صرف یہ نہیں کہیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں؟ بلکہ ہمارے اندر جو خرابی ہے ہم مل کر یہ Commitment کریں گے کہ فلاں کام نہیں کرنا۔ اپنی اپنی بات کریں گے اور جو بات چبھتی ہے اسے بتائیں گے بھی۔ اس طرح دوسروں کو بھی پتہ چلے گا کہ یہ وہ چیز ہے جو چھوڑے جانے کے لائق ہے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے لیے یہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو تبدیل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

”تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے“۔

بہترین نمونہ تو ہے لیکن اگر وہ اَخلاق ہمارے اندر نہ آئے؟ اگر وہ چیزیں ہم نے اپنے اندر پیدا نہ کیں تو پھر تو ایسا ہی ہے گویا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہی نہ ملا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سب سے نمایاں وصف کیا تھا؟ صدق۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سچے تاجر، سچی گفتگو کرنے والے، اعمال میں راست باز اور کھرے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم سے کیا مطالبہ ہے؟ ربّ العزت نے فرمایا:

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ: 119)

''سچے لوگوں کا ساتھ دو''۔

ہم سے بھی یہی مطالبہ ہے کہ سچ بولو، سچے لوگوں کا ساتھ دو، سچائی تمہاری زندگی کی بنیاد ہونی چاہیے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اور جب کبھی یہ حدیث میرے سامنے آتی ہے تو مجھے بہت ہی خوف آتا ہے کہ ہم اگر اپنے اچھے برے اعمال لے کر اللہ کے حضور چلے گئے تو پھر کیا ہوگا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ نمازیں بھی تو پڑھ ہی رہے ہیں، کچھ جھوٹ بول لیے تو پھر کیا ہوا؟ ہم ایک طرف صدقہ وخیرات کر رہے ہیں، غصہ کر لیا پھر کیا ہوگا؟ چلو کوئی نہیں، کچھ برائیاں اللہ تعالیٰ نیکیوں کے صدقے میں معاف کر دیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں کہ قرآنِ حکیم میں بھی آتا ہے:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (سورۃ ھود: 114)

''یقیناً نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں''۔

میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ ؟ قَالُوْا : اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ : اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكَاةٍ وَيَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰی مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَ فِی النَّارِ (صحیح مسلم:6579)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے''؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''ہم میں سے مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے پاس مال واسباب نہ ہو''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میری اُمّت کا مفلس وہ آدمی ہو گا کہ جو نماز، روزے، زکوۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا لیکن اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق سے پہلے ہی ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیے جائیں گے، پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں نہ ڈالرز چلیں گے، نہ کسی اور نوعیت کی کرنسی چلے گی، وہاں جو چیز کام آئے گی وہ تو نیک اعمال ہیں اور جس کرنسی کا Exchange ہوگا وہ بھی اعمال ہی ہیں۔ اس اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ اَخلاق کا معاملہ بڑا ہی توجہ طلب ہے کہ آخرت میں اعمال کا بدلہ چکانے کے لیے اچھے اعمال ان کو دے دیئے جائیں گے جن کے ساتھ ہم نے زیادتی کی مثلاً کسی کا دل دُکھایا اور رشتے کے تعلقات میں کتنا دل دُکھایا جاتا ہے! مثلاً ساس بہو کے تعلقات میں کتنی ہی بار ایسا ہو جاتا ہے! بہن بھائیوں میں بھی ہو جاتا ہے، نند بھابھی میں ہو جاتا ہے، شوہر بیوی میں ہو جاتا ہے، دوست احباب میں ہو جاتا ہے، ہمسائیوں میں بھی ہو جاتا ہے۔ دل دُکھانا تو کتنی عام سی بات ہوگئی کہ آخر میں کیا کروں؟ کسی نے میرے ساتھ کوئی بات کر دی تو میں نے بھی جواباً کر دی۔ فلاں نے کیوں ایسا کہا تھا؟ اب اس نے تو تھوڑا سا کہا تھا اور آپ نے جواباً اتنا زیادہ کہہ دیا۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تو اس کا شاید کوئی معاملہ طے نہ ہو سکے لیکن آخرت میں ضرور طے ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ

عادل ہے، وہ ضرور انصاف کرے گا۔

لہٰذا صرف اللہ کے رسول ﷺ کے اَخلاق کو ہی نہیں دیکھنا بلکہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آپ ﷺ کے اَخلاق سب سے عمدہ مثال تھے تو اب ہم نے بھی اپنے اندر ویسے ہی اچھے اَخلاق پیدا کرنا ہیں۔ اس کے لئے کیا کریں؟

اس کے لئے ہمیں جھوٹ کو چھوڑنا ہوگا اور سچے رویے کو اپنانا ہوگا۔ جھوٹی باتیں، جھوٹے gestures یعنی چہرے کے تاثرات [expressions] بھی اگر جھوٹے ہیں، اصلی نہیں ہیں، کھرے نہیں ہیں تو ان کو بھی چھوڑ دینا ہے۔ کچھ لوگ گفتگو کرتے ہوئے زبان کو گول گول کر کے باتیں کرتے ہیں اور بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ انگریزی لہجے میں گفتگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو آپ کا لہجہ ہے اسی لہجے کو رہنے دیں۔ لوگ دوسروں کے انداز کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ طریقہ کار درست نہیں ہے۔ جھوٹی بات نہیں کرنی، خلافِ واقعہ بات نہیں کرنی چاہے اس کے لیے کتنی ہی بڑی کوشش کرنی پڑے۔ بعض اوقات انسان محسوس کرتا ہے کہ اس وقت اگر جھوٹ نہ بولا تو میری جان چلی جائے گی لیکن اس جھوٹ سے بچ جائیں تو بعد میں لگتا ہے کہ یہ تو کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی، ایسے ہی میں نے اسے اتنا بڑا بوجھ سمجھا ہوا تھا۔ خاص طور پر میاں بیوی کے تعلقات میں تو ایسا ضرور ہوتا ہے کہ ایک جھوٹ بولا، اب کیا کریں؟ کسی نہ کسی موقع پر تو پھر پکڑے ہی جانا ہے، پھر اس جھوٹ کو چھپانے کے لئے کتنا الرٹ رہنا پڑتا ہے؟ یعنی ایسے ہی خواہ مخواہ کی effort ہے کہ اس ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے کئی اور جھوٹ بول دیئے تو ایسا نہیں کرنا، جھوٹے رویے کو ترک کرنا ہے۔

اسی طرح سے دوسرا بڑا اَخلق جو اللہ کے رسول ﷺ کے اندر تھا کہ آپ ﷺ کے ایک متوازن شخصیت تھے، آپ ﷺ حلیم تھے، بردبار تھے، آپ ﷺ کے اندر نرم خوئی

تھی، آپ ﷺ رحم دل تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں دیکھیں کہ تواضع کیسی تھی؟ جب آپ ﷺ ساتھیوں میں بیٹھے ہوتے تھے تو باہر سے آنے والا کبھی نہیں پہچان سکتا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کون سے ہیں؟ کیونکہ آپ ﷺ نشست الگ کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اگر لقمہ نیچے گر جاتا تو اسے اٹھاتے اور کھا لیتے کہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا، رزق ضائع کر دیا!

رسول اللہ ﷺ نے کس طرح کی زندگی گزاری؟ کبھی اپنی شان کو بلند کرنے کے لیے ایسا لباس نہیں پہنا جس کی وجہ سے لوگوں میں زیادہ اچھے محسوس کیے جائیں۔ یہ تواضع، یہ انکساری پیدا کیسے ہوتی ہے؟ جب ایک انسان اپنی ذات کو نہیں بلکہ ربّ کی ذات کو بڑا سمجھتا ہے۔ اس سے opposite دیکھیں تو جب ایک انسان کے اندر انکساری نہیں ہوتی تو پھر کیا ہوتا ہے؟ تکبر۔ اب ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی منکسر المزاجی ہے اور ایک طرف ہماری ذات ہے۔ ہم اگر دونوں کا موازنہ کرنا چاہیں کہ ہمارے اندر کبر کیسا ہے؟ مثلاً ہمیں کسی نے کوئی بات کہہ دی، اب اندر غصہ ہے کہ جو ختم ہی نہیں ہوتا کہ اس نے مجھے یہ بات کیسے کہی؟ اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ مجھے یہ بات کر جائے؟ دراصل بات تو اتنی ہے کہ میری شان میں کسی نے گستاخی کیسے کر لی؟ اپنی شان کو بڑا سمجھا اور اس سلسلے میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ کون کون سی؟ سب سے پہلے تو غصہ آیا، پھر اس غصے میں برا بھلا کہا، پھر تحقیق کیے بغیر غیبت ہوگئی، پھر بدگمانی کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر بدگمانی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اب غصہ بہت ہے، طعنے دیئے اور کہا کہ میں تو بہت straight forward ہوں، جو بھی ہے سب کچھ سچ سچ سامنے ہی کہنا ہے۔

غیبت سچی بات کی بنیاد پر ہی تو ہوتی ہے۔ کسی کی وہ بری بات جو اس میں ہے، اس کے پیٹھ پیچھے جب اس کا اظہار کیا تو یہ جرم ہے۔ شیطان نے بھی جب تکبر کیا تھا، ذات کی بڑائی میں مبتلا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے کیسے اسے عبادت گزاری کے باوجود reject کر دیا تھا!

اللہ تعالیٰ نے اسے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اس نے کہا کہ یہ تو مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے، میں افضل ہوں، میں کیوں اسے سجدہ کروں؟ یہ تکبر کس کس انداز میں ہمارے اندر موجود ہوتا ہے؟ مثال کے طور پر کئی لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر کہیں اتفاق سے باہر سے کچھ لانے کا سلسلہ ہو تو وہ چیز گاڑی سے اُٹھا کے اندر نہیں لاتی، کیوں؟ ہم نوکروں والے کام کیوں کریں؟ یہ کام تو کسی اور کے ہیں لہٰذا ایسا کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ خود کو بہت ہی منکسر المزاج سمجھتے ہیں اور اظہار بھی کرتے ہیں کہ میں تو بہت گنہگار انسان ہوں، میری کیا اوقات ہے؟ ہم تو جی کس قابل ہیں؟ اور ساتھ ساتھ تھوڑی اپنی بات بھی کرتے ہیں۔ یہ کبر کا ہی ایک طریقہ ہے کہ اپنے آپ کو بالکل مٹا ہوا ثابت کیا جائے، کیوں؟ تا کہ دوسرے Appriciate کریں۔ اس میں بھی اپنی ذات کی بڑائی مطلوب ہوتی ہے۔

ذات کی بڑائی جہاں کہیں بھی ہوگی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ جب ایک انسان تکبر میں مبتلا ہے تو وہ اللہ اکبر کیسے کہے گا؟ اذان ہمیں کیا سکھاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، نماز کیا سکھاتی ہے؟ اللہ اکبر، رکوع میں جاؤ تو اللہ اکبر، سجدے میں جاؤ تو اللہ اکبر، اٹھو پھر اللہ اکبر اور کتنی ہی بار اللہ اکبر لیکن عملی زندگی میں لباس پہنتے ہوئے فخر کا لباس، پھر گھر کے بارے میں فخر کہ ہمارا گھر تو ایسا ہے، کھانے کے بارے، اسی طرح اپنی گاڑی کے بارے میں تکبر کا شکار ہوتے ہیں۔ مثلاً گاڑی میں بیٹھنے والے کو اگر رکشے میں بیٹھنا پڑ جائے یا بعض اوقات گاڑی کی بجائے اگر کسی کو کسی ویگن میں بیٹھنا پڑ جائے تو اسے اپنی شان کے خلاف سمجھیں کہ ہم اب اس میں بیٹھ کر جائیں گے؟ میں نے بہت لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس میں کیسے بیٹھ کر چلے جائیں؟ بھئی دوسرے لوگ بھی تو بیٹھتے ہیں، اگر آپ بیٹھ گئے تو آپ کی شان میں کون سا فرق آ گیا؟ اسی طرح دیکھئے کہ زندگی کے ہر

فیلڈ میں ہی تکبر کے اظہار کا انسان کو موقع ملتا رہتا ہے۔اسی طرح یہ باتیں کہ ہمارا خاندان ایسا ہے اور ہمارے ہاں تو ایسا ہوتا ہے۔ذات برادری کے حوالے سے تعصب اور عصبیتوں کو اسلام توڑتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کبر کا خاتمہ کیسے کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔لہٰذا کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی سیاہ کو کسی سرخ پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے"۔(مسند احمد:5/511)

اللہ تعالیٰ کا خوف جس دل کے اندر ہے وہی سب سے بڑا ہے۔اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات:13)

"یقیناً تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار، سب سے زیادہ خدا کا خوف رکھنے والا ہے"۔

اس اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کبر کی جڑ کاٹتا ہے اور تکبر کے حوالے سے ہر انسان اپنے آپ کو زیادہ دیکھ سکتا ہے کہ اس کے اندر کبر کیسے موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ (القیامۃ:14)

"بلکہ انسان تو اپنے نفس پہ خود گواہ ہے اگر چہ وہ بہت ساری معذرتیں پیش کرے"۔

انسان خود اپنے نفس پہ گواہ ہے، مثلاً ایک انسان کہتا ہے کہ میرے اندر بڑی خود اعتمادی ہے، میں فلاں کام ایسے کر سکتا ہوں، میرے اندر فلاں چیز ایسی ہے تو یہ بھی کبر ہی کا ایک طریقۂ کار ہے۔اگر ایک انسان کے اندر اہلیت [ability] موجود ہے تو اس کا اظہار

کیسے کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اس کا احسان ہے، اس کا کرم ہے، اس ذات نے عطا کیا، پھر تو چلیں ایک جواز بنتا ہے ورنہ قرآن کہتا ہے:

يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء: 49)

''وہ اپنے نفس کی پاکی بیان کرتے ہیں''۔

متکبر کا یہ رویہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ خود کو ہی بڑا بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ: 43)

''جھک جاؤ، جھک جانے والوں کے ساتھ''۔

رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کیا سکھایا؟ ذرا تصور کریں جب نماز کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، پھر سینے پہ ہاتھ باندھتے ہیں، پھر جب ہاتھ گھٹنوں پہ رکھتے ہیں تو کیسی پوزیشن ہو جاتی ہے؟ کیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے تکبر کو توڑا ہے، ایسے ہی جیسے بلی ہوتی ہے یا ایسے ہی جیسے کتا ہوتا ہے، دوسرے جانور بھی اسی پوزیشن میں ہوتے ہیں لیکن بندۂ مومن کتنی خوشی سے سر جھکا کر اللہ تعالیٰ کے آگے کھڑا ہوتا ہے کہ یا اللہ! ہم تیرے لیے تو سب کچھ ہی کر سکتے ہیں، اس لیے کہ تو عظیم ہے اور ہم تیرے مقابلے میں بہت ہی کمتر ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی پیشانی رکھ دیتا ہے، ناک رگڑتا ہے۔ تکبر کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز سے کتنی مدد لی! نماز کی وجہ سے کتنا زیادہ lesson ملتا ہے کہ ہمیں جھکنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جھکاؤ چاہتا ہے۔ تکبر ہو تو جھکاؤ کبھی نہیں آتا اور جانتے ہیں کہ کس چیز میں جھکاؤ چاہیے؟ زبان کا بھی جھکاؤ، رویے کا بھی جھکاؤ، بزرگوں کے سامنے بھی جھکاؤ کہ ان کے سامنے آواز بھی جھکی ہوئی ہو۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کہاں کھڑے ہوئے ہیں، دور کھڑے افراد کے ساتھ بلند آواز میں بدوؤں کی طرح گفتگو ہو رہی ہوتی ہے۔

اللہ کے پسندیدہ انسان کا یہ رویہ نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ جھکاؤ کا رویہ ہوتا ہے۔ جھکاؤ کا رویہ کیسا ہوتا ہے؟ انسان دوسرے کا خیال رکھتا ہے کہ کہیں سمع خراشی نہ ہوجائے، کہیں دوسرے کے آرام میں خلل نہ پڑے، کہیں دوسرے کو کسی بھی اعتبار سے تکلیف نہ پہنچ جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ سے کسی نے ایک بار یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرا یہ جی چاہتا ہے کہ میں اچھا لباس پہنوں، کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تکبر نہیں ہے''۔ (صحیح مسلم)

اگر آپ اچھا پہننا چاہتے ہیں تو یہ تکبر کی علامت نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کے آگے اکڑ جائے۔ اس سے ہمیں حدود وقیود کا پتہ لگتا ہے کہ کیا تکبر ہے اور کیا تکبر نہیں ہے؟ نبی ﷺ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ تکبر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ ﷺ ہر طرح کا کام کر لیتے تھے، اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے۔ آج کسی شوہر کی ایسی مثال مل سکتی ہے جو اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لے؟ پیوند لگا ہوا پہنتا ہی کون ہے؟ اور اسی طرح آپ ﷺ اپنے گھر میں صفائی بھی کر لیتے تھے۔ سوچ کر دیکھیں کہ کوئی مرد صفائی کرے، ہر بیٹی کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ یہ مَردوں کے کام نہیں ہیں حالانکہ یہ وہ کام ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے کیے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی تواضع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل میں ہمیں یہی بات نظر آتی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ سلام کرتے ہوئے کبھی نہیں سوچتے تھے کہ کسی نے مجھے سلام کیا یا نہیں؟ آپ ﷺ سلام میں پیش پیش رہتے حتیٰ کہ بچوں اور عورتوں کو بھی سلام کرتے تھے لیکن اگر ہم اپنا رویہ دیکھیں تو ہر جگہ ایسی باتوں کو ہی سوچتے رہ جاتے ہیں کہ ہمیں آگے جگہ کیوں نہیں دی؟ ہمیں آگے بڑھ کر Recieve کیوں نہیں کیا؟ پچھلے دنوں ایک خاتون نے ہمیں بتایا کہ ہم نے اپنی بچی کی ساس کو شادی کے موقع پر پینتالیس تولے سونا ڈالا اور وہ کہتی ہیں کہ آپ نے میری قدر نہیں

کی۔ خاتون یہ بات بتاتے ہوئے دُکھ سے زاروقطار رو رہی تھی کہ ہم نے اپنی بچی کی خاطر اس کی ساس کو یہ سب کچھ دیا لیکن ساس کہتی ہیں کہ میری قدر نہیں کی تو اپنے لیے اس قسم کی قدر کا مطالبہ کرنا یہ تواضع نہیں ہے، یہ خاکساری اور انکساری نہیں ہے، یہ تو تکبر ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی تکبر کا مظاہرہ ہو اور دوسرا انسان جہاں پہ چھوٹا ثابت ہو رہا ہو اور انسان اپنی ذات کو بڑا سمجھ رہا ہو، اپنے لیے زیادہ عزت کا مطالبہ کر رہا ہو یا اپنے لیے زیادہ پروٹوکول چاہیے تو اللہ کے رسول ﷺ کے طرزِ عمل میں ہمیں کہیں بھی ایسی چیز دِکھائی نہیں دیتی۔ آپ ﷺ جس طرح اپنی ذات پہ نظر رکھتے تھے، آپ ﷺ کے اندر انا پرستی نام کو بھی نہیں تھی۔ آپ ﷺ کے مزاج میں انتہائی جھکاؤ تھا۔ یہی جھکاؤ ربّ العزت کی طرف سے ہمارے لیے بھی مطلوب ہے کہ ہم بھی جھک جائیں۔ تواضع، جھک جانا بڑی نیکی ہے، آواز جھکی ہوئی، لہجہ جھکا ہوا اور بچھا ہوا۔ جب انسان اپنے جیسے انسانوں کے سامنے نرمی اختیار نہیں کرتا نہیں ہے تو دراصل اس کے اندر کیا ہے؟ کیا تواضع ہے؟ انکساری ہے؟ نہیں یہ تواضع نہیں ہے۔

پھر تواضع کیا ہے؟ جب کوئی گھر آئے، محبت سے آگے بڑھ کر ملیں اور کوشش کریں کہ دوسرے کی تکلیف کو ہر ممکن طریقے سے دور کریں۔ گھر سے کہیں باہر بھی ہیں تو وہاں بھی مسلمانوں کے مزاج میں جھکاؤ ہونا چاہیے۔ کوئی تکلیف میں ہے اور آپ نہیں بھی جانتے لیکن اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں، کوئی بوجھ اُٹھا کے جا رہا ہے تو آپ اس کے بوجھ کو پکڑ لیتے ہیں، آپ کسی کی مشکل کو دور کر دیتے ہیں، اسلام مزاج کا یہی جھکاؤ تو چاہتا ہے۔

اگر کسی کو سمجھایا جائے اور وہ Hands up کر دے یعنی انکار کر دے کہ یہ رویہ مجھ سے صحیح نہیں ہو سکتا تو یہ بھی تکبر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا رویہ کیا ہے؟ نہ تکبر نہ جھوٹ۔ آپ ﷺ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ مرد ہونے

کے باوجود کس طرح اپنے بدن اور خصوصاً اپنے ستر کو ڈھانپ کر رکھتے تھے! آپ ﷺ نے فرمایا:

فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ (صحیح بخاری: 6118)

''حیا تو ایمان کا حصہ ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب حیا اٹھتی ہے تو ایمان بھی اٹھ جاتا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (صحیح بخاری: 6120)

''جب حیا اُٹھ جائے تو پھر تمہارے جو جی میں آئے کرتے رہو''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حیا ایک انسان کو صحیح انسانی رویے پر قائم رکھنے والی ہے۔ شیطان کی پہلی تکنیک ہے کہ وہ انسان کو بے حیا بنا دے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف: 27)

''اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اُتروا دیے تھے''۔

مثلاً عورت کی فطرت شرم و حیا ہے، وہ سر اور سینے کو ڈھانپ کے رکھنا چاہتی ہے لیکن ماحول کی وجہ سے انسان کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے۔ پھر انسان یہ کہتا ہے کہ مجھے تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اگر میں اپنے آپ کو اس طرح سے cover up نہ بھی کروں۔ ٹھیک ہے

آپ کو فرق نہیں پڑتا لیکن اللہ تعالیٰ کو تو یہ باتیں ناپسند ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ہمیں یہ طریقہ کار نہیں بتایا۔ رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کی خواتین کتنی باحیا تھیں! آپ ﷺ کے دور کی خواتین کیسی تھیں؟ جب حجاب کا حکم نازل ہوا، کوئی خاتون ایسی نہیں تھی جس نے حکم سنا ہو اور پھر وہ ایسے ہی کہیں چلی گئی ہو، یہ حیا کی علامت ہے۔

جو بھی اَخلاقِ رسول ﷺ کی روشنی میں یہ جاننا چاہے کہ ہم bad habbits کو کیسے ترک کریں؟ تو ''اَخلاقِ نبوی ﷺ'' اور ''ہم اپنے اَخلاق کے عیب کیسے دور کریں؟'' کے موضوعات پر مشتمل کیسٹس اور سی ڈیز اس کے لئے انشاء اللہ بہت مفید ہوں گی۔ ان لیکچرز میں ایسے اصول بتائے گئے ہیں جن کی وجہ سے ہم غیبت، جھوٹ، تکبر کی عادات اور اندر کی دوسری اَخلاقی برائیوں کو دور کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سادہ انسان تھے جبکہ ہماری زندگی انتہائی پر تکلف ہے۔ اگر ہم یہ دیکھیں کہ ہم آج تنگی میں ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم نے سادگی چھوڑی ہے۔ گفتگو سادہ نہیں، ہمارے معاملات سادہ نہیں، کھانے میں سادگی نہیں اور اسی طرح ملنے جلنے میں سادگی نہیں، رہنے سہنے میں، پہننے اوڑھنے میں سادگی نہیں رہی۔ سادگی میں امن ہے، سکون ہے، اطمینان ہے۔ سادگی میں انسان کے اپنے لیے بھی سہولت ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ فرض کریں کسی مہمان نے گھر میں آنا ہے اور آپ کو دس ڈشز بنانی ہیں۔ اب ان کو تیار کراتے ہوئے سارا دن لگ گیا، اتنا اہتمام کروانے میں آپ خود بھی مصروف رہے اور دوسروں کو بھی مصروف رکھا۔ جب مہمان آیا تو آپ بھی فریش نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے مہمان کی عزت کرنا ضروری ہے، یہ ایمان کا تقاضا ہے لیکن سادگی کہاں گئی؟ یہ بھی ٹھیک ہے کہ مہمان کی عزت کرنا چاہیے لیکن اتنا ہی جتنا آپ کی رینج میں ہو، بہت زیادہ ڈشز بنانے میں دراصل آپ کسی کی عزت نہیں کریں گے۔ عزت تو وہ ہوگی جو آپ اپنے رویے

سے، اپنے طرزِ عمل سے اس کو دیں گے۔ اگر مہمان کے لیے دس ڈشز ٹیبل پہ پڑی ہیں لیکن میزبان مہمان سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تو اس کے اندر کھانے کا مزہ اُترنے کی بجائے معاملے کی تلخی اُتر جاتی ہے۔ سادگی زندگی کا حسن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی کی تلقین کی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ تین دن تک جب ایک شخص نے آپ ﷺ کو انتظار کروایا اور آپ ﷺ درخت کے نیچے اُس کا انتظار کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ بھی اپنے عہد کو پورا کیا۔ ہمیں اپنے طرزِ عمل کو دیکھنا چاہیے کہ ہم کتنے عہد پورے کرتے ہیں؟

اللہ کے رسول ﷺ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ انصار کی بھی قرآن میں تعریف آئی ہے کہ

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:9)

"وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگی میں ہوں۔"

ایثار چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی ضروری ہے اور بڑے بڑے معاملات میں بھی۔ مثلاً اپنی جگہ کسی کو دے دینا، اپنی باری کسی کو دے دینا اور اسی طرح اپنے مال میں سے کسی کو کچھ دے دینا، اپنے سے زیادہ دوسرے کا خیال کرنا اور دوسرے کو وہ سب کچھ جو خود پسند ہو یا اپنی ضرورت ہو دے دینا، یہ ایثار میں آتا ہے۔ ہمیں بھی اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہاں تک ایثار کرتے ہیں؟

ایک دفعہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اُس نے درخواست کی کہ یہ سب بکریاں اُسے دے دی جائیں۔ آپ ﷺ نے سب بکریاں اسے عطا کر دیں۔ اس نے اپنے قبیلے میں جا کر کہا:

يَا قَوْمِ ! اَسْلِمُوْا فَاِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِيْ عَطَاءً لَا يَخْشَى الْفَاقَةَ

"اے میری قوم! اسلام قبول کرلو، محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے

کی پرواہ نہیں کرتے۔'' (صحیح مسلم: 6020)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا کون سا پہلو ہے جس میں ہمارے لیے نمونہ نہ ہو؟ اپنے گھروں کی زندگی میں دیکھیں ایثار کے کتنے مواقع آتے ہیں! اسی طرح ہمسائیوں کے ساتھ بھی ایثار کرنے کے کتنے مواقع آتے ہیں!

آپ لوگ شیئر کریں گے کہ آئندہ کے لیے کیا کریں گے؟ آپ نے اس کا ضرور جائزہ لیا ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے مقابلے میں ہمارے اندر کون سی خصوصیت کتنی موجود ہے؟ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی اَخلاق کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کوئی بھی کام کیا جائے، اگرچہ اچھی عادت ہو وہ اچھی عادت شمار ہی نہیں ہوتی۔

اعتدال بھی اچھے اخلاق پر مبنی رویہ ہے۔ آپ ﷺ کے ہر عمل مثلاً آپ ﷺ کی عبادت، اَخلاق، حقوق و فرائض میں اعتدال کا رویہ نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کی خاطر کبھی انتقام نہیں لیا، آپ ﷺ عفو و درگزر کرنے والے تھے۔ اعتدال کا معاملہ یہ ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید بھی رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے بھی۔ اُسی سے اُمید اور اُسی کی ذات کا خوف۔ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ سے اُمید باندھ لی اور ڈر نہ رہا تو اس کے اندر اچھا اَخلاق پیدا نہیں ہو سکتا، توازن نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی انسان اتنا ڈرتا رہا کہ اُمید ہی باقی نہ رہی تب بھی حسنِ اَخلاق پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا اعتدال ضروری ہے۔

اسی طرح جب تک ایک انسان کے اندر ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات موجود نہ ہوں، وہ حسنِ اَخلاق کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا، اعتدال، ہمدردی و خیر خواہی اَخلاق کی بنیادیں ہیں، ان تین باتوں کے بغیر اَخلاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگ اپنی ذات کے حوالے سے یہ بتائیں کہ آئندہ کے لیے کیا ارادہ ہے؟

نمبر شمار	جائزے کے سوالات	ہاں	نہیں	کسی حد تک	بہت حد تک
1	کیا میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتی / کرتا ہوں؟				
2	کیا میں ساری اُمیدیں اللہ تعالیٰ سے باندھتی / باندھتا ہوں؟				
3	کیا میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتی / کھاتا ہوں؟				
4	کیا میں اپنی ذات کی خاطر انتقام لیتی / لیتا ہوں؟				
5	کیا میں عفوودرگزر سے کام لیتی / لیتا ہوں؟				
6	کیا میں ہر کام کو احسن انداز میں انجام دیتی / دیتا ہوں؟				
7	کیا میں دوسروں کے لئے ہمدرد اور خیر خواہ ہوتی / ہوتا ہوں؟				

8 کیا میں قول وفعل میں سچی / سچا

نمبر شمار	جائزے کے سوالات	ہاں	نہیں	کسی حد تک	بہت حد تک
8	کیا میں قول و فعل میں سچی / سچا ہوں؟				
9	کیا میں وعدہ توڑتی / توڑتا ہوں؟				
10	کیا میں مہمان نواز ہوں؟				
11	کیا میں دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتی / دیتا ہوں؟				
12	کیا میں صابر ہوں؟				
13	کیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گئی / گیا ہوں؟				
14	کیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتی ہوں؟				

لیکچر کے دوران طالبات کی شیئرنگ

طالبہ: مجھے جو بات سب سے زیادہ اچھی لگی، پہلے بھی بہت اچھی لگتی ہے لیکن اب Committment کرنے کو دِل کر رہا ہے کہ سادگی اختیار کرنا ہے کیونکہ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ ہم نے کسی کے گھر جانا ہو تو ٹینشن کا ماحول رہتا ہے کہ تکلّف سے کام لیں، اس کو پہلے بتائیں کہ ہم آ رہے ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم آپ کے گھر آنا چاہتے ہیں تب بھی یہ کہ اچھا اب سارا دن گھر رہنا پڑے گا اور یہ کرنا پڑے گا، وہ کرنا پڑے گا تو اتنا ٹائم صرف ہو جاتا ہے اور دل میں وہ خوشی نہیں پیدا ہوتی جو کسی کے آنے سے ہونی چاہیے کیونکہ کام کا بوجھ اور دوسری ساری چیزیں۔ آپ نے کسی کے گھر جانا ہے تو آپ بلا تکلّف نہیں جا سکتے، مثلاً آپ بازار گئے اور کسی کا گھر پاس ہے تو آپ بلا تکلّف جا ہی نہیں سکتے، بے شک آپ نے پانی کا ایک گلاس ہی پینا ہو، ٹینشن ہوگی کہ ایسے ہی کوئی تکلّف نہ کرنے لگ جائے اور سمجھیں گے کہ ایسے ہی کیا مصیبت آ گئی۔ میں نے یہ commitment کی ہے کہ اب میں نے تکلّف نہیں کرنا اور اپنے سب جاننے والوں کو بھی کہنا چاہتی ہوں کہ میرے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دیں تو مجھے یہ بات بہت اچھی لگی۔

استاذہ: آپ کے لیے تو دروزے کھلیں گے آپ کے دروازے بھی تو اُن کے لیے کھلنے چاہئیں۔ آپ نے نوٹ کیا کہ سادگی کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اور تکلّف میں آپ

چاہے کسی کے لیے کتنا ہی اہتمام کرلیں اس میں محبتیں grow ہی نہیں کرتیں۔ آپ کے گھر میں جو بنا ہے آپ بے تکلف سب کے سامنے لے آئیں۔ آپ کے گھر میں جتنے بھی مہمان آتے ہیں آپ کو فکر ہی نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کیا ہوتا تھا؟ کہ جو کچھ ہے لے آئیں، دودھ ہے تو وہی لے آئیں، کھجور ہے تو وہی سہی اور اگر کچھ نہیں تو پانی ہی سہی لیکن ہمارے یہاں پھر یہ کہا جاتا ہے کہ اچھا پھر کوئی کیا کہے گا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے نہیں، کسی اور کی خوشی کے لیے ہے تو اَخلاق تو ختم ہو گیا۔

طالبہ: مجھے جو بات آج سب سے زیادہ Attract کی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلا پوائنٹ تھا اللہ تعالیٰ کی رضا، اس حوالے سے مجھ سے کافی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ لوگوں سے میل ملاپ [interaction] کی وجہ سے کچھ کام خالص کرنے میں پرابلم ہوتی ہے۔ میں یہ عہد کرتی ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس چیز کو پیشِ نظر رکھنا ہے۔ مجھے یہ بات بہت اچھی لگی کہ اچھے اَخلاق کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس کو میں نے انشاءاللہ تعالیٰ اپنانے کی کوشش کرنی ہے۔

طالبہ 3: مجھے جو چیز مجھے اچھی لگی وہ یہی کہ ہمارے لباس اور رہنے سہنے میں زیادہ تکلفات شامل ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ لان کے سوٹس پہ اگر کوئی اچھی ڈیزائننگ نہ ہو، اس کی اچھی پرنٹنگ نہ ہو، کڑھائی نہ ہو، لیس نہ لگی ہو تو ہمیں satisfaction ہی نہیں ہوتی تو اس حوالے سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ خود کو سادہ کرنے کی کوشش کرنی ہے۔

استاذہ: قرآنِ حکیم میں ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (الاعراف:32)

”کہہ دیجئے کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام کر دیا جو اس نے اپنے

بندوں کے لیے نکالی ہے''؟

اعتدال کی روش اختیار کرنی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ آپ کسی کپڑے کے لیے زینت کا اہتمام کرنا چاہیں تو سب چیزوں سے رک جائیں، اگر کسی کے اندر esthatic sense ہے اور وہ اس کو استعمال کر لیتا ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ جہاں تک لوگوں کے ساتھ ڈیلنگ کا معاملہ ہے اس میں زیادہ یہ بات یاد رکھنی ہے کہ حد سے زیادہ تکلفات میں پڑنے سے محبتیں ختم ہوتی ہیں۔ سو بہت زیادہ تکلفات نہیں رکھنے۔

طالبہ: پھر انسان اسی بات میں یعنی کپڑوں کی ڈیزائننگ وغیرہ میں ہی پڑا رہتا ہے اسی وجہ سے یہ بات ڈسٹرب کرتی ہے۔

استاذہ: اسلام یہ نہیں کہتا کہ آپ ڈیزائننگ وغیرہ کر نہیں سکتے۔ آپ بہترین ڈیزائننگ کر کے پہنیں لیکن بہت زیادہ وقت اور مال نہ لگائیں۔ جب بہت زیادہ وقت لگ جاتا ہے تو اچھے کاموں کے لیے وقت نہیں بچتا۔ سادگی سے بہت سارا وقت بچتا ہے۔ اُمّتِ مسلمہ یعنی ہم نے چونکہ بڑے کام کرنے ہیں تو اس کے لیے سادگی کے ذریعے سے ہی وقت نکل سکتا ہے۔

طالبہ: فون جھوٹ کا بہت بڑا ذریعہ ہے مثلاً جیسے ہی میرے لیے کسی دوست کا فون آیا تو کہا کہ اچھا میں تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی، تمہارے متعلق ہی سوچ رہی تھی حالانکہ نہ تو اس کے بارے میں سوچ رہی تھی اور نہ ہی اس کا ذکر کر رہی تھی۔ اب میں نے committment کی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرنا اور دوسری بات یہ کہ جب بچوں کے لائٹ آف اسلام کورس کے حوالے سے ورک شیٹس بنانے کا موقع ملا تو مجھے بہت زیادہ احساس ہوا کہ یہ چیز ہمیں بھی سیکھنی چاہیے اور یہ ورک شیٹس تو

ہمیں واقعی fill کرنی چاہیے اور یہ کہ اس میں دل کے بارے میں جو تھا کہ کس طرح دل کو sweet heart بنا سکتے ہیں اور کس طرح سے دل dirty black ہو جاتا ہے۔ مجھے بچوں کے ساتھ ساتھ اپنے لیے بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

طالبہ: جو چیز میں نے سیکھی وہ یہ کہ جب کوئی بات کرنے لگتے ہیں تو دو چار الفاظ کا اس میں خود سے ہی اضافہ کر دیتے ہیں اور یہ بات ذہن میں نہیں آتی کہ کسی کو اگر آواز دی اور اس کو یہ کہا کہ آپ کو چار دفعہ بلا چکی ہوں حالانکہ ایک دفعہ بلایا تھا تو پتہ بھی نہیں چلا اور جھوٹ بولا گیا تو زندگی سے ایسے جھوٹ کو بالکل نکال دینا ہے۔

طالبہ: مجھے جو چیز سب سے اچھی لگی ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے تو سارے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے میں کافی دنوں سے کوشش کر رہی ہوں اور دُعا بھی کر رہی ہوں۔

طالبہ: استاذہ نے جو حدیث بتائی کہ مفلس ہو گیا وہ شخص جس کی نیکیاں دوسروں کی حق تلفی کرنے اور زیادتیاں کرنے کی وجہ سے دوسروں کو پہنچ جائیں گی اور دوسروں کی برائیاں اس کے حصے میں آ جائیں گی تو مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ میری طرف سے دوسروں کے ساتھ تعلق میں کمی ہو جاتی ہے، لوگوں سے تعلق زیادہ نہیں بنا پاتی تو میں نے یہی سوچا ہے کہ ظاہر ہے یہ بھی لوگوں کا حق ہے اور اگر آخرت میں یہ تعلق دوسروں کو نیکیوں کی صورت میں مل جائے تو اس سے بہتر ہے کہ میں آج ہی دنیا میں لوگوں سے زیادہ اچھا تعلق بنا لوں۔

اسی طرح سے جھوٹ کے حوالے سے یہ feel ہوا کہ پچھلے دنوں جب کام زیادہ ہوتا تھا اور ٹائم کم ہوتا تھا تو رکشے والے کو تو یہ کہا کہ میں اس ٹائم پہ ضرور پہنچ جاؤں گی اور ہوتا یہ تھا کہ وہ تو پہنچ جاتا اور میں ضرور پانچ دس منٹ late ہو جاتی

اور اس کو انتظار کرنا پڑتا۔ ظاہر ہے کہ یہ فعل بھی جھوٹ ہے اور اسی طرح سے بات بھی جھوٹ ہوئی کہ پہنچ جاؤں گی۔ لہٰذا میں نے یہ committment کی ہے کہ اس فعل سے avoid کروں گی انشاء اللہ۔

طالبہ: میں بہت زیادہ وعدہ خلافی کر جاتی ہوں، جیسے استاذہ کہتی ہیں کہ یہ اسائنمنٹ کرنی ہے تو بعض اوقات تو فرض سمجھ کے یا ایک اسائنمنٹ سمجھ کے کر لیتی ہوں لیکن بعض اوقات نہیں بھی کرتی اور یہ نہیں سوچتی کہ وعدہ تو ہو چکا تھا۔ میں جب کہتی ہوں کہ اچھا اسے کر لوں گی تو وعدہ تو ہو جاتا ہے لیکن جب اسے بعد میں سوچتی ہوں کہ میں نے اسے پورا نہیں کیا ہے، میں نے تو وعدہ کیا تھا تو پھر بہت زیادہ احساس ہوتا ہے کہ ہائے اس کے بارے میں بھی پوچھ گچھ ہونی ہے۔ یوں کتنی ساری باتیں ہیں کہ جو میں کہتی ہوں مگر کر نہیں پاتی۔

ایک چھوٹی بچی: جو بات میں نے نوٹ کی وہ جھوٹ کے حوالے سے کہ جب ہوم ورک نہیں کیا اور سکول گئی تو ٹیچر کے پوچھنے پر یہ کہہ دیا کہ اصل میں فلاں پرابلم ہو گئی تھی، اس لیے ہوم ورک نہیں کیا۔ اب میں نے Committment کی ہے کہ آئندہ ٹیچر کے ساتھ جھوٹ نہیں بولنا اور اپنا ہوم ورک مکمل کر کے جایا کرنا ہے انشاء اللہ۔

استاذہ: اب دیکھئے اچھی مجلس کا بچوں پہ بھی اثر ہوتا ہے کہ بچے بھی Committment کرتے ہیں کہ جو غلطی کی تھی اب وہ نہیں کرنی۔ بچوں کو اچھی مجلسوں سے محروم نہیں کرنا۔ بچے بھی بہت کچھ learn کر سکتے ہیں۔

لہٰذا نفس کی اصلاح اور تزکیے کے لیے خود بھی ایسی محفلیں اٹینڈ کرنا ہے اور دوسروں کو بھی موقع فراہم کرنا ہے انشاء اللہ۔